تاجدار برطانیہ کے شاہی مہمان زیرِ عتاب

تحریر: سہیل احمد لون

جمہوریت کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں عوام الناس کو آزادی اور جراتِ اظہار کا موقع ملتا ہے۔ اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آزادی اظہار کو سب سے زیادہ جرات سابق آمرانہ دور میں ہی نصیب ہوئی۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ جمہوریت کو بہترین طرز حکومت کہنے اور جمہوریت کے علمبردار بننے والی عالمی طاقتیں کمزور یا ترقی پزیز ممالک میں آمروں یا آمرانہ رویہ رکھنے والے منافق جمہوریت پسندوں کی بل واسطہ یا بلاواسطہ حمایت کرتی نظر آئیں۔ امریکی امداد کے حوالے سے اگر 1948ء سے لیکر 2013ء جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ امریکی امداد خواہ وہ اقتصادی، فوجی یا اتحادی سپورٹ فنڈ کی صورت میں پاکستان کو فراہم کی گئی ہو اس کا تناسب جمہوری حکومتوں سے آمرانہ ادوار میں ہمیشہ زیادہ رہا ہے۔ جب کبھی امدادی فراہمی روکی گئی یا اقتصادی پابندی لگانے کی دھمکی دی گئی ملک کی باگ دوڑ جمہوری رہنماء کے ہاتھ میں تھی۔ جمہوریت کا آفتاب اکثر طلوع ہوتے ہی آمرانہ گرہن کے زیرِ عتاب آجاتا ہے جس میں جمہوریت کے دعوی دار عالمی طاقتوں کا ہمیشہ کلیدی کردار رہا ہے۔ تاریخ اس بات کی گواہ ہے بڑی طاقتیں اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے کمزور یا ترقی پزیر ممالک کے سے کچھ لوگوں کو استعمال کر کے پھر ان کو عبرت کا نشان بنا دیتے ہیں۔ کبھی اسامہ بن لادن امریکی سپاہ کی آنکھ کا تارا تھا پھر اس کو مارنے کے لیے لاکھوں افراد کو لقمہ اجل بنا دیا گیا۔ کبھی صدام حسین کو بھی عالمی طاقتوں کی حمایت حاصل تھی، پھر عید قربان پر اس کا چڑھاوا چڑھا دیا گیا۔ جنرل (ر) پرویز مشرف بھی کبھی جمہوریت کے علمبرداروں کا مہمانِ خاص اور ملکہ کا شاہی مہمان بھی بنا کر بھی رکھا گیا مگر وقت اور حالات نے ماضی کی روش کو پھر سے دہرایا۔ پرویز مشرف سے کام لینے والوں نے اپنے آنکھ کے تارے سے آنکھیں چرا لیں۔ جمہوریت اور آمریت دونوں میں شراکت کرنے والے الطاف حسین کی مقبولیت کا گراف حالیہ انتخابات میں نیچے کی طرف آنا شروع ہوا (جس میں پی ٹی آئی کا اہم کردار تھا) جس کے بعد برطانوی میڈیا اور حکومتی اداروں نے ان کے گرد گھیرا تنگ کر دیا۔ میڈیا کے شیر کچھ عرصہ قبل الطاف بھائی کے بارے میں کوئی رپورٹ یا خبر نشر کرنے سے قبل اس بات کو یقینی بنانا فرض سمجھتے تھے کہ کوئی ایسی بات نہ ہو جائے جس سے "توہین بھائی" کا کوئی پہلو نکلتا ہو۔ جیسے ہی برطانوی میڈیا اور اداروں نے الطاف بھائی کے سر سے شفقت کا ہاتھ اٹھایا تو "دیسی میڈیا" میں بھی جرات اظہار کے جراثیم نظر آنا شروع ہو گئے۔ جنرل (ر) پرویز مشرف کے متعلق بھی آج وہ لوگ باتیں کرتے دکھائی دیتے ہیں جو کبھی ان کے آگے پیچھے دم ہلاتے نظر آتے تھے۔ اکثر ایسے موقعہ پرست دم ہلانے والے ہی برے وقت میں دم دبا کر بھاگتے ہیں۔ جنرل (ر) پرویز مشرف اور الطاف بھائی دونوں ہی ملکہ کے دیس میں شاہی مہمان تھے۔ جنرل (ر) پرویز مشرف نے پاکستان آ کر 'فوجی' ہونے کا جبکہ الطاف بھائی نے پاکستان نہ آ کر 'سیاستدان' ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ مگر موجودہ حالات و الزامات کی نوعیت اور عدلیہ کا نظام دیکھ کر ایسا محسوس ہے کہ مشرف کو شاید وہ دن دیکھنے نصیب نہ ہوں جن کا خطرہ الطاف بھائی کو ہے۔ یقیناً

آج الطاف بھائی اگر 90 میں ہوتے تو شاید اس کرب سے نہ گزر رہے ہوتے۔ یہ شاید برطانیہ کے تسلط میں رہنے کا نتیجہ ہے کہ ہمارے اکثر مذہبی، سیاسی اور عسکری رہنماء "اچھے برے" وقت میں برطانیہ جانے کو ترجیح دیتے ہیں۔ گزشتہ برس ملالہ یوسف زئی کو سکول سے واپسی پر طالبان نے دہشت گردی کا نشانہ بنایا۔ خوش قسمتی سے وہ قاتلانہ حملے میں شدید زخمی ہونے کے باوجود بچ گئی۔ اسے علاج کے لیے برطانیہ شفٹ کیا گیا طبیعت بہتر ہونے کے بعد اسے ہسپتال سے تو ڈسچارج کر دیا گیا مگر برطانیہ نے اسے خود شاہی مہمان بنا کر ایک نئی روایت کو جنم دیا۔ کم سن ملالہ ایک بہادر طالبہ تھی مگر وہ عمر کے اس حصے تک نہیں پہنچی تھی کہ وہ کسی سیاسی، مذہبی یا عسکری گروہ کی رہنماء بن سکتی۔ ملالہ پر قاتلانہ حملے سے برطانیہ شاہی مہمان بننے تک اس کی حمایت اور مخالفت میں بہت کچھ لکھا اور کہا گیا۔ گزشتہ دنوں ملالہ کی سولہویں سالگرہ کے موقع پر اقوام متحدہ نے ملالہ یوسف زئی کو خصوصی طور پر اقوام متحدہ کے اجلاس پر بلا کر "ملالہ ڈے" منایا گیا۔ ملالہ نے اقوام متحدہ میں صرف سولہ برس کی عمر میں خطاب کر کے پاکستان کا نام بلند کیا۔ کسی وقت میں ذوالفقار علی بھٹو نے بحیثیت وزیر خارجہ اقوام متحدہ میں دھواں دار تقریر کر کے دنیا کو حیران کر دیا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس تقریر سے ان لوگوں کو بھی پاکستان کا نام اور محل وقوع کا پتہ چل گیا جو اس وقت تک پاکستان کے نام سے واقف نہیں تھے۔ مگر ذوالفقار علی بھٹو کو دنیا میں اپنی پہچان کروانے کے لیے تقریباً 4 دہائیاں محنت کرنا پڑی۔ سیاست کا سائنسدان ہو کر بھی ذوالفقار علی بھٹو کبھی اس کرسی کے قریب نہ بیٹھ سکا جس کرسی پر ملالہ کو بٹھایا گیا۔ محترمہ بینظیر بھٹو کی چادر اوڑھ کر ملالہ نے بڑے پر اعتماد انداز میں خطاب کیا جس میں اس نے تمام مثبت باتیں کیں۔ محترمہ بینظیر بھٹو بھی دہشت گردی کا نشانہ بنی مگر ان کی شہادت پر اقوام متحدہ کی اس کرسی پر جہاں ملالہ کو بٹھایا گیا تھا بیٹھنے والے شخص نے مذمت یا افسوس کے چند الفاظ اقوام متحدہ میں بولنا گوارہ نہ کیے۔ یہ بات تو ملک وقوم کے لیے باعث فخر ہونی چاہیے کہ ہماری بیٹی اقوام متحدہ میں تعلیم کے روشنی سے جہالت کے اندھیرے دور کرنے کی بات کر رہی ہے۔ مگر تعجب ہے کہ اس کی حوصلہ افزائی کرنے کی بجائے بہت سے لوگ اس پر تنقید کرتے نظر آئے۔ ہم میں تنقید کا ذوق کچھ زیادہ ہی ہے، ان دنوں تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان بھی برطانیہ میں پائے جا رہے ہیں۔ جس پر ان کو بھی شدید تنقید کا سامنا ہے حالانکہ وہ گزشتہ 14 برسوں میں ہر سال برطانیہ آ رہے ہیں۔ خاص طور پر رمضان میں شوکت خانم ٹرسٹ ہسپتال کے لیے فنڈ ریزنگ کے لیے ضرور آتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے بچے بھی ادھر ہیں جن سے ملنا ان کا حق اور قانونی فرض بھی ہے۔ برطانیہ میں پی ٹی آئی پاکستان کی تمام سیاسی جماعتوں سے زیادہ فعال ہے اگر برطانیہ کی پی ٹی آئی لوگوں کو الطاف بھائی کے خلاف پولیس رپورٹ کروانے میں معاونت نہ کرتی تو شاید میٹروپولیٹن پولیس برطانیہ کو ریکارڈ شکایات موصول نہ ہوتیں۔ برطانیہ میں پارٹی کے انتظامی امور میں کچھ خامیوں کو دور کرنے کے لیے چیئرمین کا برطانیہ آنا ضروری تھا، اس کے علاوہ طبی معائنہ بھی کروانا تھا۔ شاہی خاندان اگر عمران خان کو کسی پارٹی میں مدعو کرتے ہیں تو یہ ہر کسی کو نصیب نہیں ہوتا۔ مگر کچھ لوگوں کو عمران خان کا برطانیہ آنا، شاہی خاندان کی پارٹی میں جانے پر بھی اعتراض ہے۔ یہ بات کسی حد تک درست ہے کہ ہمارے سیاسی، مذہبی اور عسکری رہنماء بیرونی قوتوں خاص طور پر امریکہ اور برطانیہ کے آلہ کار بنتے رہے ہیں۔ اب اگر کوئی شاہی خاندان کی پارٹی میں جائے یا شاہی مہمان بننے کے بعد اقوام متحدہ میں خصوصی اعزاز سے نوازہ جائے تو اس کے بارے میں منفی پراپیگنڈہ کر کے عوام کی رائے تبدیل کرنا بہت آسان کام ہے۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ ہر کوئی ان کا آلہ

کاربن کرملک وقوم سے غداری کا مرتکب ہو۔جنہوں نے یہ کام سرانجام دینا ہووہ پاکستان میں بیٹھ کربھی اس بخوبی سرانجام دیتے رہتے ہیں اور کسی کو کانوں کان خبرنہیں ہوتی جیسا کہ تحریک انصاف پنجاب کے صدر اعجاز چوہدری نے ٹکٹوں کی تقسیم پر اپنے چیئرمین کو دغا دیا اور ایک جیتا ہوا الیکشن ہار گیا۔اب یہ قوم کسی الیکشن کے لیےتو شاید نہ نکلےمگر چند ماہ بعد آنے والے مہنگی اور بیروزگاری کے طوفان کا مقابلہ کرنے ضرور نکلے گی اور اُس وقت افسوس کہ عمران خان کے وفادار ساتھ اُسے چھوڑ چکے ہوں گے کہ وہ تجدید محبت میں دیر کرر ہا ہے۔اُسے اپنے پرانے اور وفادار ساتھیوں کی طرف فوری لوٹنا ہوگا اگر وہ مستقبل میں سیاست کرنا چاہتا ہے۔

تحریر: سہیل احمد لون

سربٹن۔سرے

sohailloun@gmail.com

17-07-2013.